کتاب البیوع

باب تحریم تلقی الجلب

تلقی الجلب کا مطلب یہ ہے کہ کوئی تاجر باہر سے سامانِ تجارت شہر کے اندر فروخت کرنے کیلیے لا رہا ہو تو دوسرا اسکے شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس سے اسکا سامان تجارت خرید لے تو اسکو تلقی الجلب یا تلقی البیوع کہا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر تلقی الجلب سے کوئی ضرر یا غرر (دھوکا) لاحق نہ ہو تو جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

أئمہ ثلاثہ کے نزدیک تلقی الجلب مطلقاً ممنوع ہے، چاہے ضرر و غرر ہو یا نہ ہو۔

دلیلِ جمہور: **عن عثمان عن عبد اللہؓ عن النبی ﷺ أنہ نھی عن تلقی البیوع (۱)** ۔ نیز حضرت أبو ہریرہ سے مروی ہے **أن رسول اللہ ﷺ قال: لا تلقوا الجلب ۔ (۲)** ۔ ان احادیث میں آپ ﷺ نے مطلقاً تلقی البیوع سے منع فرمایا، لھذا ہر صورت میں مطلقاً تلقی الجلب ممنوع ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل: آپ ﷺ نے تلقی الجلب سے دو وجہوں سے منع فرمایا (۱) ضرر (۲) غرر، ضرر بایں معنی کہ آدمی تاجر کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے اسکا سامان خرید کر مہنگی قیمت میں بیچتا ہے، جس سے لوگوں کو مہنگائی کا ضرر لاحق ہوتا ہے، اور غرر بایں معنی ہے کہ آدمی تاجر کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے اسکا سامان خریدنے میں دھوکے سے کام لیتا ہے، مثلاً تاجر

---

(۱) مسلم ۱۵۱۷، بخاری ۲۱۶۵، ابن ماجہ ۲۱۷۹، أبو داؤد ۳۴۳۶، (۲) مسلم ۱۵۱۹، البخاری ۲۱۶۲، أبو داؤد ۳۴۳۷، ترمذی ۱۲۲۱، ابن ماجہ ۲۱۷۸، احمد ۲/۶۳.

کے سامان کی قیمت بازار میں اگر ۲۰ روپے فی کلو ہے تو وہ اسکو بتائے گا کہ اس کی قیمت ۱۰ روپے فی کلو ہے تو یہ غرر ہے، لھذا ضرر یا غرر کی وجہ سے تلقی الجلب ممنوع ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو تلقی الجلب میں کوئی حرج نہیں ہے۔

باب تحریم بیع الحاضر للبادی

امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک شہری کا دیہاتی کا مال فروخت کرنا ممنوع ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر کوئی ضرر یا غرر نہ تو جائز ہے۔

جمہور کی دلیل: عن جابرؓ عن النبی ﷺ قال: لا یبیع حاضر لباد۔(۱) یعنی شہری، دیہاتی کا مال نہ فروخت کرے۔ اسی طرح کی روایت ابن عباس اور ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔ اس حدیث میں مطلقاً شہری کو دیہاتی کے مال فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا ہر صورت میں بیع الحاضر للبادی ممنوع ہوگا۔

ابو حنیفہؒ کی دلیل: واضح رہے کہ یہ اختلاف بھی سابقہ باب کے اختلاف کے نہج پر ہے، یعنی یہاں بھی وہ کہتے ہیں کہ بیع الحاضر للبادی ضرر وغرر کے وجہ سے ممنوع ہے لہٰذا ضرر یا غرر نہ پائے جانے کی صورت میں یہ بیع جائز ہوگی۔

باب حکم بیع المصراة

المصراة: مشتقٌ من التصرية، معناها الحبس (روکنا)۔ قال الشافعیؒ التصرية أن يربط أخلاف الناقة أو الشاة و يتركَ حلبها اليومين والثلاثة حتىٰ يجمع لبنها (۲)۔ یعنی تصریہ یہ ہے کہ اونٹ یا بکری کے تھن کو باندھ دیا جائے

ابن ماجہ ۱۲۳۳، ترمذی ۳۴۳۹، أبو داؤد ۲۱۵۸، البخاری ...

اور دو یا تین دن نہ دوہا جائے تا کہ اس کا دودھ جمع ہو جائے۔ جیسا کہ بعض دفعہ آدمی بکری یا اونٹنی کو زیادہ قیمت میں بیچنے کی لالچ میں کئی دن تک اس کا دودھ نہیں نکالتا تا کہ اس کو خریدنے والا زیادہ دودھ والا جانور سمجھ کر زیادہ قیمت میں خرید لے۔ لیکن اس صورت میں گھر لے جانے کے بعد وہ اس دھوکے سے باخبر ہو گیا تو اب وہ کیا کریگا؟

امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک مصرات بکری یا اونٹنی خریدنے والے کو تین دن تک اختیار رہیگا، چاہے وہ اپنے پاس رکھے یا لوٹا دے، تین دن کے بعد خیار ختم ہو جائیگا، اور جانور لوٹانے کی صورت میں ایک صاع کھجور بھی دے، البتہ امام مالکؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک صاع کھجور ہی کا لوٹانا ضروری نہیں بلکہ اس شہر میں رائج طعام میں سے کوئی بھی چیز ایک صاع لوٹا دے۔

امام ابو حنیفةؒ کے نزدیک مشتری کے لئے مصرات بکری بائع کو لوٹانے کا اختیار نہیں ہے لیکن اس کو رجوع بالنقصان کا اختیار ہے یعنی مشتری نے دھوکے کی وجہ سے جو قیمت زیادہ دی ہے بکری کی صحیح قیمت پھر سے لگا کر زائد قیمت واپس لے لے۔

جمہور کی دلیل: **عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: لا تصروا الإبل و الغنم للبيع فمن ابتاعها بعد ذلك فهو بخير النظرين بعد أن يحلبها ثلاثا، إن رضيها أمسكها، وإن سخطها ردها وصاعا من تمر .(١)**، یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اونٹ اور بکری کے بیچنے کے لیے تصریہ مت کرو جس شخص نے اسی کو خریدا اس کے بعد تو وہ تین دن دوہنے کے بعد دو اختیار کے ساتھ ہے اگر چاہے تو اس کو روکے رکھے اور اگر چاہے تو اس کو لوٹا دے اور ایک صاع کھجور بھی لوٹا دے۔ یہ حدیث جمہور کے مذہب پر صریح دلیل ہے۔

---

(١) أخرجه مالك ٢/٦٨٣، مسلم ١٥١٥، أبوداؤد ٣٤٤٣، ترمذي ١٢٥١ ابن ماجه

امام أبو حنیفه کی دلیل : وہ فرماتے ہیں اب بکری کو لوٹانا ممکن نہیں رہا کیونکہ بکری کے تھنوں میں جو دودھ تھا وہ مشتری کی ملکیت میں آگیا اور اس کی ملکیت میں بکری آنے کے بعد جو دودھ پیدا ہوا وہ بھی اسی کا ہے لہذا اگر وہ بکری کو لوٹانا چاہے گا تو اب دو حال سے خالی نہیں یا تو کل دونوں قسم (جو خرید نے کے وقت دودھ تھا اور جو اس کے یہاں پیدا ہوا) کے دودھ کی قیمت لوٹائے گا یا کل دودھ کی قیمت بالکل نہیں لوٹائے گا، پہلی صورت میں مشتری کا نقصان ہے کیونکہ اس کو اس دودھ کی قیمت بھی ادا کرنی پڑ رہی ہے جو اس کے یہاں آنے کے بعد نکلا، دوسری صورت میں بائع کا نقصان ہے کہ اس کو اس کے دودھ کی قیمت نہیں حاصل ہو رہی ہے جو اس کے یہاں اس کے جانور کے تھن میں تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ عقد کے وقت جتنا دودھ تھا اس کی قیمت بائع کو واپس کر دیا جائے لیکن سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ عقد کے وقت کتنا دودھ تھا اور عقد کے بعد کتنا دودھ بڑھ گیا لہذا واضح ہو گیا کہ دودھ کے واپسی کی کوئی صورت نہیں ہے تو دودھ کے بغیر شاۃ مصرات کے واپسی کی بھی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

باب بطلان مبیع قبل القبضة

امام شافعیؒ کے نزدیک کسی بھی چیز کو اس کے قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے چاہے وہ کھانا ہو یا جائیداد، منقولی چیز ہو یا غیر منقولی۔ امام أبو حنیفہؒ کے نزدیک زمین کے علاوہ کسی چیز میں بیع قبل القبضہ جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ زمین مامون ہو یعنی دریا وغیرہ کے کنارہ نہ ہو کہ اس کے دریا میں مدغم ہو جانے کا خدشہ ہو۔ امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک کھانے کے علاوہ تمام چیزوں میں بیع قبل القبضہ جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: **عن ابن عباسؓ أن النبی ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یستوفیه.** (۱) یعنی جو شخص کھانا خریدے وہ اس کو نہ بیچے یہاں تک کہ وہ

اس کو حاصل کرلے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اس حدیث میں "طعاما" کی قید اتفاقی ہے ورنہ یہ حکم ہر چیز کو شامل ہوگا یعنی بیع قبل القبضہ ہر چیز میں ممنوع ہوگی۔

مالکؒ اور احمدؒ بھی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں بیع قبل القبضہ طعام کے ساتھ خاص ہے لہذا طعام کے علاوہ بقیہ چیزوں میں بیع قبل القبضہ جائز ہوگی۔

حنفیہ بھی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن وہ بیع قبل القبضہ کی ممانعت کی علت فساد شئی نکالتے ہیں یعنی قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا اس لیے ممنوع ہے کیونکہ ممکن ہے کہ قبضہ کے وقت وہ خراب ہوجائے مثلاً کوئی شخص کھانا خریدا یا جانور خریدا اور اس پر قبضہ نہیں کیا تو ممکن ہے کہ قبضہ کے وقت کھانا خراب ہوجائے یا جانور مرجائے تو اب مشتری اس کو کیسے حاصل کرے گا اس لیے بیع قبل القبضہ ممنوع قرار دے دیا گیا لیکن زمین کے خراب ہونے کا یا چوری ہونے یا غائب ہوجانے کا کوئی خدشہ نہیں ہے اسی لیے حنفیہ نے زمین کو قبل القبضہ فروخت کرنے کی اجازت دے دی اور حنفیہ کے مذہب کی تائید حضرت عثمان کے عمل سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے کوفہ میں ایک زمین خرید کر قبل القبضہ فروخت کردی تھی۔

باب ثبوت خيار المجلس للمتباعين

اگر دو آدمی ایک دوسرے سے بیع وشرا کریں تو کب تک ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے؟

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ خیار مجلس کا اعتبار کرتے ہیں یعنی دونوں نے جب ایجاب وقبول کرلیا تو جب تک وہ مجلس میں ہیں انکو اختیار ہے کہ بیع فسخ کردیں، ان میں سے ایک اٹھ گیا تو خیار مجلس ساقط ہوجائے گا یا ان میں سے کوئی ایک کہے "اختر" (اختیار کرو) دوسرا کہے "اخترتُ" اس سے بھی خیار ساقط ہوجائے گا۔

امام أبوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک خیار مجلس کوئی چیز نہیں ہے جب متعاقدین نے ایجاب وقبول کرلیا تو بیع تام ہوگئی اب بغیر دوسرے کے رضامندی کے بیع فسخ

کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ واحمدؒ کی دلیل: **عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: البيعانِ كل واحد منهما بالخيار على صاحبه مالم يتفرقا إلا بيع الخيار** (۱) یعنی جب تک دونوں متعاقدین جدا نہ ہوں تب تک اس میں سے ہر ایک کو اختیار ہے مگر یہ کہ خیار شرط لگادی ہو۔

امام أبوحنیفہؒ و مالکؒ کی دلیل: **﴿يـأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود﴾** (المائدہ) اس آیت میں عقد پورا کرنے کا حکم ہے اور عقد ایجاب وقبول سے پورا ہوجاتا ہے آیت کریمہ میں خیار مجلس کا ذکر نہیں ہے۔

ایسے ہی دوسری آیت ہے "**واشهدو إذا تبايعتم**" (البقرہ) یعنی جب تم آپس میں بیع کرو تو گواہ بنالو۔ اس میں بھی خیار مجلس کا کوئی ذکر نہیں ہے ان دونوں آیتوں سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آتی ہے کہ خیار مجلس کوئی چیز نہیں ہے۔ حنفیہ کے مذہب کی تائید حضرت عمر کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر گھوڑے پر سوار تھے وہ ٹھیک سے نہیں چل رہا ہے تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ گھوڑا مجھے فروخت کردو، حضرت عمر نے کہا میں نے فروخت کردیا تو آپ ﷺ گھوڑا لیکر اسی مجلس میں عبداللہ بن عمر کا ہبہ کردیا (بخاری) دیکھو اگر خیار مجلس کا اعتبار نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس گھوڑے کو اسی مجلس میں ہبہ نہ کرتے بلکہ مجلس جب ختم ہوجاتی تب ہبہ فرماتے لیکن آپ ﷺ نے مجلس میں ہی ہبہ کردیا تو اس سے یہ واضح ہوگیا کہ خیار مجلس کا اعتبار نہیں۔

امام شافعیؒ اور احمدؒ کی مستدل حدیث کا جواب یہ ہے کہ "مالم یتفرقا" سے مراد تفرق بالابدان نہیں ہے بلکہ تفرق بالأقوال ہے یعنی ایجاب وقبول مراد ہے یعنی جب تک ایجاب وقبول سے فارغ نہیں ہوجائیں اس وقت تک فسخ کا اختیار رہے گا اور ایجاب وقبول کے بعد فسخ کا اختیار نہیں ہوگا إلا یہ کہ دونوں فسخ پر راضی ہوجائیں۔

---

(۱)۔ أخرجه بخرى ۲۱۰۹، مسلم ۱۵۳۱، أبو داؤد ۳۴۵۵، ترمذی ۱۲۴۵، احمد ۴/۲۔

باب من يخدع فى البيع

اگرکسی کے ساتھ غبن فاحش کیا گیا ہو تو کیا اس کو خیار حاصل ہوگا؟۔

جمہور علماء کے نزدیک خیار غبن کا کوئی اعتبار نہیں ہے بیع لازم ہوگئی اب وہ لوٹا نہیں سکتا، البتہ بعض مالکیہ مغبون کے لیے خیار کے قائل ہیں بشرطیکہ کے غبن اصل قیمت کے تہائی کو پہنچ جائے۔

جمہور کی دلیل: **ذكر رجل لرسول الله ﷺ أنه يُخدع فى البيوع، فقال رسول الله ﷺ: من بايعت فقل لا خلابة .(١)** یعنی ایک آدمی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ وہ بیعوں میں دھوکہ دیا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص سے تو بیع کرے تو کہہ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔ اگر مغبون کے لیے خیار فسخ ہوتا تو آپ ﷺ اس شخص سے بیع کے وقت لا خلابة کہنے کو نہ فرماتے کیونکہ اگر مغبون کو خیار حاصل ہوتا تو لاخلابة کے ذریعہ خیار حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

باب النهى عن بيع الثمار قبل بدوصلاحها

بدوصلاح سے پہلے پھل بیچنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح یہ ہے کہ پھل آفت سماویہ سے محفوظ ہوجائے اور آفت سماویہ سے اس وقت محفوظ ہوگا جب پھل پکنے کے قریب ہوجائے۔ امام شافعی بدوصلاح کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ پھل پکنے لگے۔ لیکن بدوصلاح کے بعد پھل بیچنے کے حکم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

أئمه ثلاثه کے نزدیک بدوصلاح کے بعد پھل بیچنا مطلقاً جائز ہے چاہے درخت پر پھل کچھ ایام چھوڑنے کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک بدوصلاح کے بعد پھل بیچنا بشرط الترک ناجائز ہے یعنی پھل کچھ دن درخت پر چھوڑنے کی قید لگائی تو یہ ناجائز ہے

---

(١) أخرجه مسلم ١٥٣٣، البخارى ١٤٠٧، ترمذى ١٢٥٠، أبوداؤد ٣٥٠١، احمد ٦١/٢۔

البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ اب پھل مزید بڑھنے کی امید نہ ہو تو بشرط الترک بھی جائز ہے۔

جمہور کی دلیل: عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحه۔(۱) یعنی رسول اللہ ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کی صلاح ظاہر ہو جائے۔ أئمہ ثلاثہ کے نزدیک مفہوم مخالف کیونکہ حجت ہے اس لیے جب بدو صلاح سے قبل پھل بیچنا ممنوع ہے تو اس کے برخلاف بدو صلاح کے بعد پھل بیچنا جائز ہوگا۔

أبو حنيفهؒ کی دلیل: امام صاحب فرماتے ہیں بدو صلاح کے بعد بھی پھل کے درخت پر چھوڑنے کی شرط لگانا مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ اگر شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو تو وہ عقد کو فاسد کر دیگی لہذا یہ بیع بھی ناجائز ہوگی۔

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بدو صلاح کی ممانعت میں ''حتی یبد و صلاحہ'' کی قید احترازی نہیں بلکہ یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ اس زمانہ میں عموماً بیع بدو صلاح سے قبل ہوتی تھی اس لیے آپ ﷺ نے ''حتی یبد وصلاحہ'' فرمایا، لہذا اس سے جمہور کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ نیز ہمارے یہاں مفہوم مخالف حجت بھی نہیں ہے۔

باب بيع العرايا

العرايا: جمع عرية معناها عطية، وهو بيع الرطب على النخل بالتمر على الأرض خرصا. (المجموع ج ۱۱/ص ۳) یعنی درخت پر کھجور کا زمین پر موجود کھجور سے اندازہ لگا کر بیچنا۔

عرایا کی تشریح وتحدید میں زبردست اختلاف ہے۔ امام أبو حنیفہ وامام مالک فرماتے ہیں کہ عرایا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں کچھ لوگ اپنے باغ کے ایک یا دو درخت کے پھل کو کسی غریب کو ہبہ کر دیتے تھے پھر پھل پکنے کے زمانہ میں مع اہل وعیال باغ میں تفریح اور پھل کھانے

(۱) أخرجه البخاري ۲۱۸۳، مسلم ۱۵۳۵، احمد ۵۹/۲۔

کی غرض سے قیام کرتے تھے اور اس فقیر کا بار بار اس باغ میں درخت موہوبہ سے پھل توڑنے کی غرض سے آنا جانا باغ کے مالک کے بیوی وبچوں کی پریشانی کا باعث ہوتا تو مالک اس فقیر سے کرتا جو درخت میں پھل ہے اس کو مجھے فروخت کر دو اور اس کے عوض میں ٹوٹی ہوئی کھجوریں لے لو اس صورت کو عرایا کہتے ہیں۔ البتہ یہ اپنے اصل کے اعتبار سے بیع مزابنہ ہے جو کہ ناجائز ہے چونکہ یہ حقیقتاً بیع نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرح کا ہدیہ ہے اس لیے آپ ﷺ نے مطلقاً اس کی اجازت دے دی۔ واضح رہے کہ یہ امام مالک کے نزدیک حقیقتاً بیع بھی ہے دونوں مذاہب میں صرف یہی فرق ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک عرایا دراصل بیع مزابنہ ہے (''**المزابنة وهى بيع التمر فى رؤوس النخل بالتمر**'' یعنی درخت پر لگی کھجور کو توڑی ہوئی کھجور سے بیچنا، جو کہ ممنوع ہے لیکن اگر پانچ وسق سے کم میں بیع مزابنہ کیا جائے تو وہ عرایا کہلائے گا جو جائز ہے خلاصۂ کلام مزابنہ اور عرایا میں فرق صرف اتنا ہے کہ عرایا پانچ وسق سے کم میں ہوتی ہے اور مزابنہ پانچ وسق سے زیادہ میں ہوتی ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک بھی عرایا کی وہی تفسیر ہے جو ابو حنیفہ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ شافعی کی طرح پانچ وسق سے زیادہ میں عرایا کی اجازت نہیں دیتے۔

امام شافعیؒ واحمدؒ کی دلیل: ان دونوں کے نزدیک پانچ وسق سے زیادہ میں عرایا جائز نہیں ہے۔ **إن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمر بالتمر إلا أنه رخص فى بيع العرية** (۱) ۔اس حدیث میں آپ ﷺ نے مطلقاً بیع عریہ کی اجازت دی، لہذا مطلقاً بیع عریہ جائز ہوگا لیکن چونکہ ایک دوسری روایت میں پانچ وسق سے کم میں اجازت دی ہے اس لیے پانچ وسق سے کم میں جائز ہوگا وہ یہ ہے ''**أن رسول الله ﷺ رخص فى بيع العرايا**

(۱) أخرجه مسلم ۱۵۴۰، البخاری ۲۱۹۱، ابو داؤد ۳۳۶۳، ترمذی ۱۳۰۳، احمد ۱۸۶/۵ (۲) أخرجه مسلم ۱۵۴۱، البخاری ۲۱۹۰، ابو داؤد ۳۳۶۴، ترمذی ۱۳۰۱، احمد ۲۳۷/۲۔

بخرصها فيما دون خمسة أوسق۔ (۲) حنفیہ کے طرف سے حدیث مذکور کا جواب یہ ہے کہ عرایا کی اجازت کے سلسلہ میں اکثر روایتیں مطلق ہیں جو روایتیں خمسۃ اوسق کے ساتھ مقید ہیں اس میں یہ احتمال ہے کہ پہلے آپ نے پانچ وسق میں اجازت دی ہو لیکن پھر بعد میں مطلقاً عرایا کی اجازت دے دی ہو کیونکہ جب عرایا قلیل میں جائز ہے تو کیا وجہ ہے کہ کثیر میں جائز نہ ہو اور حقیقت میں یہ کوئی بیع بھی نہیں ہے کہ اس سے بائع کو کوئی ضرر لاحق ہو رہا ہو بلکہ یہ مشتری (مالکِ باغ) کی طرف سے ہبہ تھا اس کو اس نے خرید کر ٹوٹی ہوئی کھجوریں اس کو اپنی آسانی کے لیے عطا کر دیں۔

باب من باع نخلاً عليها تمر

اگر کوئی شخص درخت بیچے تو کیا اس کا پھل بھی بیع میں داخل ہو جائے گا؟ اگر پھل کے ساتھ درخت بیچنے کی شرط لگائی ہو تو بالاتفاق پھل درخت کی بیع میں داخل ہو جائے گا، اور اگر پھل کے ساتھ درخت بیچنے کی شرط نہیں لگائی بلکہ مطلقاً درخت بیچا تو کیا اس صورت میں پھل بیع میں داخل ہوگا؟۔ اگر درخت تابیر کے بعد بیچا ہے تو پھل بالاتفاق بائع کے ہونگے اگر تابیر سے پہلے درخت بیچا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

أئمه ثلاثه کے نزدیک تابیر سے قبل درخت بیچا ہے تو پھل مشتری کا ہوگا۔ امام أبوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی پھل بائع کا ہوگا۔

خلاصۂ کلام امام أبوحنیفہؒ کے نزیک قبل التابیر یا بعد التابیر ہر صورت میں پھل بائع کا ہوگا أئمہ ثلاثہ کے نزدیک درخت قبل التابیر بیچنے کی صورت میں پھل مشتری کا ہوگا اور بعد التابیر بیچنے کی صورت میں پھل بائع کا ہوگا۔

أئمہ ثلاثہ کی دلیل: **عن ابن عمرؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول من ابتاع نخلا بعد أن تُؤَبَّر فثمرتها للذى باعها إلا أن يشترط المبتاع**"۔ (۱) یعنی

---

(۱) أخرجه مسلم ۱۵۴۳، البخاری ۲۲۰۴، ابن ماجه ۲۲۱۰، ابو داؤد ۳۴۳۴، احمد ۲/۶۰

جو شخص تابیر کے بعد درخت کو خریدے تو اس کا پھل بائع کے لیے ہوگا مگر یہ کہ مشتری شرط لگادے ۔ أئمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد التابیر درخت بیچنے کی صورت میں پھل بائع کا ہوگا تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ قبل التابیر پھل مشتری کا ہوگا، چونکہ ان کے نزدیک مفہوم مخالف حجت ہے اس لیے مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے قبل التابیر درخت بیچنے کی صورت میں پھل مشتری کا قرار دیتے ہیں۔

امام أبوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ مفہوم مخالف حجت نہیں ہے لہذا ہر صورت میں پھل بائع کے لیے ہوگا اور حدیث مذکور میں بعد أن تؤبر کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔

باب ماجاء فی کراء الأرض

زمین کو بٹائی پر دینا جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: **عن جابرؓ أن رسول الله ﷺ نهى عن كراء الأرض** (۱) ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا۔ دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **من كانت له أرض فليزرعها او ليُزرِعها أخاه ولا يُكرِ ها** یعنی جس کے پاس زمین ہو پس اس کو خود کھیتی کرنی چاہئے یا اپنے بھائی سے کھیتی کرائے اس کو کرایا پر نہ دے، یہ حدیث امام مالک کے مذہب پر صریح دلیل ہے۔

جمہور کہتے ہیں یہ نہی تنزیہی ہے اور اس میں ایثار و مواخاۃ کی تعلیم دی گئی ہے اس حدیث میں کراء الأرض کی حرمت کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔

باب المساقاة

المساقاه: وهى ماخوذة من السقى واصلها تعاهد الأشجار بالماء

۲۳۴/۱۔

-(المفهم ٤/٤١٣) - دوسرے کے درخت کی دیکھ بھال کرنا اور اس کی سینچائی کرنا اور جب پھل آجائے تو اس کی نگہداشت کرنا پھر اس پھل میں سے اجرت لینا مساقاۃ کہلاتا ہے۔

أئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک مساقاۃ جائز ہے۔امام أبوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل: **عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ عامل اهل خيبر بشطر مايخرج منها من ثمر أو زرع -(١)** -یعنی آپ ﷺ نے اہل خیبر سے اس چیز کی نصف پر معاملہ کیا تھا جو اس سے پھل یا اناج پیدا ہوتا تھا۔

امام أبوحنیفہؒ کی دلیل: وہ فرماتے ہیں چونکہ یہ خیبر عنوۃً (لڑکر) فتح ہوا تھا نہ کہ صلحاً اس لئے اہل خیبر اس وقت آپ ﷺ کے غلام تھے آپ ﷺ نے جو کچھ ان کو دیا وہ بھی آپ ﷺ کا تھا اور جو آپ ﷺ نے ان سے لیا وہ بھی آپ ہی کا تھا،خلاصۂ کلام یہ امام أبوحنیفہ کے نزدیک مساقاۃ تھی ہی نہیں۔

باب وضع الجوائح

الجوائح : جمع جائحة معناها الهلاكة.

یعنی اگر کسی نے درخت پر پھل خریدا پھر اس کو توڑنے سے پہلے وہ بارش یا اولے وغیرہ کی وجہ سے ہلاک ہوگیا اور مشتری نے بائع کو قیمت بھی ادا کردی تھی تو کیا بائع کو مشتری کی قیمت لوٹانا پڑے گا؟۔

امام أبوحنیفہؒ وشافعیؒ کے نزدیک بائع پر قیمت کا لوٹانا ضروری نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک اگر تہائی سے کم نقصان ہوا ہو تو مشتری برداشت کرے گا اور اگر تہائی

---

(١) أخرجه مسلم ١٥٥١، البخاری ٢٢٨٥، أبوداؤد ٣٠٠٨، ترمذی ١٣٨٣، ابن ماجه ٢٤٦٧، احمد ٢/١٤٩.

سے زیادہ نقصان ہوا ہو تو بائع برداشت کرے گا۔

امام احمدؒ کے نزدیک اس نقصان کو بائع برداشت کرے گا اور شافعیؒ کا قول قدیم یہی ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل: **عن جابرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لو بعت من أخيك ثمرا فأصابته جائحة فلايحل لك أن تأخذ منه شيئا، بما تأخذ مال أخيك بغير حق؟**۔ (۱)۔ یعنی تو اگر اپنے بھائی سے پھل بیچے پھر اس کو کوئی ہلاک کرنے والی چیز پہنچے تو تیرے لئے حلال نہیں ہے کہ تو اس سے کچھ لے تو ناحق اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض لے گا؟۔ اس حدیث میں صراحۃً مال ہلاک ہونے کے بعد مشتری سے قیمت لینے سے منع کیا گیا ہے حنفیہ، وشافعیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم محبت، غمگساری اور انسانی ہمدردی کی بنا پر ہے ورنہ نفس الأمر میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز کسی کے ملک میں ہلاک ہو جائے تو ضامن وہی شخص ہوگا۔

باب من أدرک ماله عند مفلس

اگر کوئی شخص مفلس (کنگال) ہو گیا یا مر گیا اور اس پر بہت سارے لوگوں کے قرضے ہیں اب اگر دائنین (قرض دینے والے) میں سے کوئی شخص اپنا مال اس مفلس کے پاس پاتا ہے یا اس کے مرنے کے بعد پاتا ہے تو آیا وہ شخص اپنا مال لے لے گا یا اس کی قیمت لگا کر وہ مال تمام دائنین میں تقسیم کیا جائے گا؟

امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک وہ شخص اپنا مال لے لے گا تمام قرض خواہوں پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ مال تمام قرض خواہوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

امام مالکؒ کے نزدیک اس کے مفلس ہونے کی صورت میں دائن اپنا مال اگر اس مفلس کے

---

(۱) أخرجه مسلم ١٥٥٤، أبوداؤد ٣٤٧٠۔

پاس پائے تو وہ لے لیگا اور اگر اس کے مرنے کے بعد پایا تو تمام قرض خواہوں پر تقسیم کردیا جائے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: **عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا أفلس الرجل فوجد الرجل عنده سلعته بعينها فهو أحق بها۔** یعنی جب آدمی مفلس ہوگیا اور دوسرا آدمی اس کے پاس اپنا سامان پائے تو وہی اسکا زیادہ حق دار ہے(۱)

امام مالکؒ کی دلیل: وہ مفلس کے بارے میں تو اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، لیکن مرنے کی صورت میں تمام قرض خواہ شریک ہونگے پر استدلال ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ کی روایت سے کرتے ہیں **قال رسول الله ﷺ: فإن مات الذی ابتاعه (اشتراه) فصاحب المتاع أسوء الغرماء"** (رواہ مؤطا مالک ۲/۶۷۸) یعنی اگر وہ مفلس مشتری مرجائے تو اپنا سامان پانے والا دیگر قرض خواہوں کے برابر پر لے گا یعنی ان کے ساتھ قیمت میں شریک ہوگا نہ کہ اپنا سامان ہونے کی وجہ سے اسکو پورا لے لے گا۔

حنفیہ کی دلیل: حنفیہ کہتے ہیں کہ جب بائع نے مشتری کو مبیع سپرد کردیا تو وہ اس کا مالک ہوگیا اب مفلس ہونے کے بعد جس طرح بائع مذکور مستحق ہے اسی طرح دیگر قرض خواہ بھی مستحق ہیں یعنی مفلس کے مال کے استحقاق میں بائع اور دیگر قرض خواہ مشترک ہیں لہذا بائع کے لیے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ سب کے سب اس میں شریک ہوں گے۔

بعض حنفیہ نے مالک وشافعی کی مستدل حدیث مذکور کی متعدد توجیہات کیں ہیں لیکن مالکیہ وشوافع نے اس کی کھلی اڑائی ہے، چنانچہ علامہ قرطبی مالکی کہتے ہیں: **وقد تعسف بعض الحنفية فی تأويل أحاديث الأفلاس تاويلات لا تقوم علی أساس ولا تمشی علی لغة ولا قياس فلنضرب عن ذكرها لوضوح فسادها۔** (المفهم

---

(۱) **أخرجه مسلم ۱۵۵۹، البخاری ۲۴۰۲، أبوداؤد ۳۵۱۹، ترمذی ۱۲۶۲، النسائی ۸/۳۱۱، ابن ماجه ۲۳۵۸، احمد ۲/۲۲۸۔**

ج٤/ص ٤٣٣) لیکن حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کا اس مسئلہ میں تمام قرض خواہوں کے برابر شریک ہونے کا فلسفہ انسانی ہمدردی وغمگساری پر مبنی ہے آپ خود سوچئے اگر ایک چیز کے متعدد آدمی شریک اور آرزومند ہوں لیکن اس پر ایک ہی آدمی قبضہ کرے تو بقیہ شرکاء کے دل پر کیا گذرے گی ورنہ فیصلے کے اعتبار سے قاضی کو اختیار ہے کہ اس متعین چیز کو بائع کے حوالہ کردے۔ واللہ اعلم۔

باب تحریم عسب الفحل

عسب الفحل یعنی جفتی کرانیکے لیے سانڈ کو کرایہ پر لینا۔

أئمه ثلاثه کے نزدیک جفتی کرانے کے لیے سانڈ کو کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے۔ **وقال النووی: جماعة من الصحابة والتابعین ومالك وآخرون یجوز استجاره** (شرح صحیح مسلم ج٧/ص ٤٧٦٩)۔ یعنی امام مالک بعض صحابہ وتابعین کے نزدیک سانڈ کا کرایہ پر جفتی کرانے کے لیے لینا جائز ہے۔

جمہور کی دلیل: **عن ابن عمرؓ نهی النبی ﷺ عن عسب الفحل** (ترمذی ابو داؤد وبخاری) دوسری حدیث میں ہے **عن جابرؓ قال نهی رسول ﷺ عن بیع ضراب الجمل۔** (مسلم، نسائی)۔ یعنی آپ ﷺ نے اونٹ کی جفتی کو بیچنے سے منع فرمایا۔ یہ احادیث جمہور کے مذہب پر صریح دلیل ہیں۔

امام مالکؒ کی دلیل: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کی ضرورت ہے کیونکہ جس طرح اس کو کھیت وغیرہ جوتنے کے لیے یا بار برداری کے لیے کرایہ پر لینا جائز ہے اسی طرح افزائش نسل کے لیے کرایہ پر لینا جائز ہوگا، اور حدیث مذکور میں وارد نہی کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں کہ یہ نہی مکارم اخلاق پر ابھارنے کے لیے ہے اور ویسے بھی انسانی شرافت سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ جانور سے جفتی کرانے کے لیے پیسہ لیا جائے اور اس کا پیشہ اختیار کیا جائے۔ واللہ اعلم

باب فی بیع الکلب

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کتے کی بیع جائز نہیں ہے اور کتے کو اگر کوئی ہلاک کردے تو اس کی قیمت ہلاک کرنے والے پر واجب نہیں ہوگی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک جس کتے کو پالنا جائز ہے اس کی بیع بھی جائز ہے اور جس کتے کو پالنا جائز نہیں اس کی بیع بھی جائز نہیں۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل:۔ عن ابن مسعودؓ الأنصاری أن رسو اللہ ﷺ نهی عن ثمن الکلب۔(۱) اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شوافع حنابلہ نے کلب کی بیع کو ممنوع قرار دیا۔

حنفیہ ومالکیہ کی دلیل: عن ابن جابرؓ نهی رسول اللہ ﷺ عن ثمن الکلب إلا کلب صید. (نسائی)۔ اس حدیث میں کلب صید کا استثناء کیا گیا ہے چونکہ کلب صید (شکاری کتا) کا پالنا جائز ہے تو اس کی بیع وشرا بھی جائز ہوگی۔

شوافع کی مستدل حدیث کا جواب یہ ہے کہ شروع میں مطلقاً کتے کا پالنا ممنوع تھا اس لیے مطلقاً اس کی بیع وشرا بھی ممنوع تھی پھر جب شکار اور بکریوں کے ریوڑ وغیرہ کی حفاظت کیلئے پالنے کی اجازت دے دی گئی تو ان ضرورتوں کیلیے خریدنے کی بھی اجازت ہوگئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب الرباء

أصل الربا الزیادة یقال ربا الشی یربو إذا زاد.

وقد أجمع المسلمون علی تحریم الربا فی الجملة وإن اختلفوا فی ضابطه وتفاریعه .(شرح صحیح مسلم ۴۳۰۳/۷.)

---

(۱) اخرجه مسلم ۱۵۶۷، البخاری ۵۳۴۶، ابو داؤد ۳۶۸۱، ترمذی ۱۲۷۶۔

ربا کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس کا زیادہ تر استعمال دو معنی کے لیے ہوتا ہے (۱) ربا النسیہ (۲) ربا الفضل۔

ربا النسیۂ جس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن نے حرام کیا ہے، جس کی تعریف یہ ہے **هو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض** یعنی وہ ایسا قرض ہے جس میں وقت اور قرض لینے والے پر مال کی زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو

(۲) ربا الفضل جس کو ربا الحدیث بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہے۔

تعریف: **تبادل الجنسين بالفضل والنقص** یعنی دو ہم جنس چیزوں میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنا۔ اس کی تشریح میں اختلاف ہے اس سلسلے میں وارد حدیث یہ ہے **عن عبادة ابن الصامت إني سمعت النبي ﷺ ينهى عن بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبُر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر والملح بالملح، إلا سواء بسواء فمن زاد أو استزاد فقد أربى** (۱) یعنی سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی (الی آخرہ) کے بدلہ میں بیچا جائے ممنوع ہے مگر یہ کہ برابر سرابر بیچا جائے تو جائز ہے جو شخص اس میں زیادتی کی یا زیادہ طلب کیا پس وہ ربا ہے۔

اصحاب ظواہر کہتے ہیں ان مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ کمی زیادتی کے ساتھ لین دین جائز ہے۔ لیکن جمہور اس کی علت نکالتے ہیں۔ وہ علت ان کے نزدیک جہاں پائی جائے گی وہاں کمی زیادتی کے ساتھ لین دین کرنا ممنوع ہوگا لیکن ان کے مابین علتوں میں اختلاف ہے۔

ابو حنیفہؒ ذہب اور فضہ سے حرمت کی علت اس کا موزونی ہونا نکالتے ہیں اور بقیہ چار چیزوں کی علت مکیلی ہونا نکالتے ہیں لہذا حنفیہ کے نزدیک معدودی (شمار کر کے بیچی جانے والی چیزیں) چیزوں میں کمی زیادتی کے ساتھ لین دین جائز ہوگا مثلاً ایک انڈے کے عوض دو

---

(۱) أخرجه مسلم ۱۵۸۷، ابو داؤد ۳۳۴۹، ابن ماجه ٤٤٦٤ احمد ۲۲۷۸۷/۸.

انڈے لینا ایک لیمو کے عوض دو لیمو لینا جائز ہوگا۔

امام مالکؒ ذہب وفضہ سے علت، ثمن کی جنس سے ہونا نکالتے جیسے ہمارے زمانہ میں ایک روپئے دو روپئے کے سکے پانچ سو وغیرہ کے نوٹ ثمن ہیں یعنی جب وہ ثمن کے جنس سے ہوگی تبھی اس میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ حرام ہوگا ورنہ نہیں، اور بقیہ چار چیزوں میں حرمت کی علت "تدخر للقوت" نکالتے ہیں یعنی جس کو کھانے کیلئے ذخیرہ اندوزی کیا جاسکے لہذا ان کے نزدیک پھل پکے آم، امرود، کیلا وغیرہ میں کمی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہوگا کیونکہ کھانے کے لیے انکا ذخیرہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ چند دنوں میں یہ سڑ جائیں گے۔

امام شافعیؒ ذہب وفضہ میں حرمت کی علت امام مالکؒ کی طرح ثمن کی جنس سے ہونا نکالتے ہیں اور حنفیہ کی طرح چار چیزوں میں علت اسکا مطعومات (کھائے جانے والی چیزیں) سے ہونا نکالتے ہیں لہذا انکے نزدیک سوتی کپڑا وغیرہ میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہوگا اس میں زیادتی ربا نہیں کہلائے گی۔

امام احمدؒ کے نزدیک ذھب وفضہ میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور بقیہ چار میں حرمت کی علت مطعومۃ موزونۃ (یعنی کھانے والی چیز جو وزن کر کے بیچی جاتی ہے) أو مکیلۃ (کیل کر کے بیچی جانے والی چیز) ہے، لہذا انکے نزدیک انڈہ وغیرہ معدودی چیز جو نہ کیل کیا جاتا ہے اور نہ وزن کی جاتا ہے ان کا کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہے اور امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنودی ۷/۳-۴۳)۔

خلاصہ کلام ابوحنیفہ کے نزدیک حرمت کی علت الکیلُ والوزنُ ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک حرمت کی علت جنس الثمن اور الادخار للقوت (کھانے وخوراک کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت کی علت جنس الثمن اور الوزن ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک حرمت کی علت ثمنیت اور مطعومۃ، موزونۃ او مکیلۃ ہے اور وہ دو چیزیں جس میں یہ دونوں علت نہ پائی جائیں ان میں کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا ربا نہیں کہلائے گا۔

حنفیہ کی علت کو وجہ ترجیح حاصل ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے پاس اپنی علت کی ترجیح کیلئے کوئی نص نہیں ہے جب کہ حنفیہ کے پاس نص بھی موجود ہے چنانچہ مستدرک حاکم میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں یہ فرمایا، " وَكَذالك مايكال ويوزن " (مستدرك حاكم ۲/۴۲)۔ اسی حدیث کی بنا پر حنفیہ نے حرمت کی علت الکیل والوزن نکالی۔

باب بيع الحيوان واستثناء ركوبه

اگر کوئی شخص کوئی جانور بیچے لیکن بائع پر شرط لگادے کہ میں فلاں منزل تک اس پر سوار رہوں گا تو کیا یہ جائز ہے؟ اس طرح ہر وہ چیز جس کو بائع بیچے لیکن اس سے انتفاع کی شرط لگادے مثلاً مکان بیچے لیکن ایک مہینہ یا دو مہینہ اس میں رہنے کی شرط لگادے تو کیا جائز ہے؟۔

یہ دوسری صورت تو بالاتفاق ممنوع ہے لیکن جانور کے بارے میں مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک جانور بیچنے کے بعد اپنے لیے اس پر سوار ہونے کی شرط لگانا جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک اگر منزل قریب ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے، امام ابوحنیفہ اور اور امام شافعی کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہے ۔

امام احمدؒ کی دلیل: عن جابرؓ أن النبي ﷺ قال له قد أخذت جملك بأربعة دنانير ولك ظهر إلى المدينة (۱) ۔ حضرت جابرؓ سے آپ ﷺ نے اونٹ خریدا اور حضرت جابر مدینہ تک اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر آئے اگر بیچنے کے بعد جانور پر سوار ہونا بائع کے لئے جائز نہ ہوتا تو حضرت جابرؓ اپنے بیچے ہوئے اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ نہ آتے۔ امام مالک بھی

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ مدینہ وہاں سے قریب تھا اس لیے حضرت جابر اس پر سوار ہو کر آئے۔

حنفیه و شوافع کی دلیل: إن رسول الله ﷺ نهی عن المحاقلة والمزابنة و المخابرة والثنیا۔(رواه الترمذی بخاری مسلم)۔

الثنیا یہ ہے کہ آدمی کہے کہ میں نے پورے باغ کا سارا پھل تم سے بیچتا ہوں مگر مثلاً دو درخت فروخت نہیں کرونگا اور دو درخت متعین نہیں کیا تو یہ ممنوع ہے اور یہی چیز جانور کو فروخت کرنے کے بعد رکوب کی شرط لگانے میں پائی جا رہی ہے۔

اور صحیح مسلم میں ایک دوسری روایت ہے جو حنفیہ و شوافع کے مذہب پر صریح دلیل ہے "نهی النبی ﷺ عن بیع وشرط (مسلم) یعنی آپ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا جو شرط کے ساتھ ہو۔ لہذا اگر کوئی جانور بیچتا ہے اور اس کے سوار ہونے کی شرط لگاتا ہے تو یہ ممنوع ہوگا۔ اور حنابلہ کی مستدل حدیث کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے حقیقۃً بیع نہیں کی تھی کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ مدینہ پہنچنے کے بعد اونٹ انکو واپس کر دیا اور اس کی قیمت عطا فرمائی، نیز آپ ﷺ نے خود انکو اونٹ پر سوار ہونے کا حکم فرمایا نہ کہ انہوں نے رکوب کی شرط لگائی۔ واللہ اعلم۔

باب اقتراض الحیوان

جانور وغیرہ کا قرضہ کے طور پر لینا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل: عن أبی هریرةؓ قال استقرض رسول الله ﷺ سنا فأعطی سنا فوقه۔(۱) یعنی آپ ﷺ نے ایک جوان اونٹ قرض لیا تھا پھر اس کو اس سے

(۱) أخرجه مسلم ۱۶۰۱۔ ترمذی ۱۳۱۶ وذکر قصته البخاری ۲۳۹۲ ترمذی ابن ماجه

اچھا جوان اونٹ واپس کیا، یہ حدیث جمہور کے مذہب پر صریح دلیل ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حنفیہ کہتے ہیں کہ چونکہ قرض کی ادائیگی میں برابری ضروری ہے یعنی جتنا قرض لیا اتنا ادا کرے لیکن چونکہ جانور میں برابری ممکن نہیں اس لیے اس کو قرض کے طور پر لینا بھی جائز نہ ہوگا۔ جمہور کی مستدل حدیث کا حنفیہ یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے حقیقتاً قرض نہیں لیا تھا بلکہ ان سے لیکر کسی ضرورتمند کی ضرورت پوری کی تھی اور ان سے یہ وعدہ کرلیا کہ میں بعد میں تم کو اس کے بدلہ میں دوسرا اونٹ دونگا، ورنہ نفس الامر میں یہ قرض نہیں تھا لیکن صورۃً قرض ہے اس لیے راوی نے اس کو قرض کے طور پر بیان کردیا۔

باب فی السلم

واضح رہے کہ بیع سلم کو بیع سلف بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی تعریف میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

السلم عند الحنفية : السلم هو الشراء آجل بعاجل ، ويسمى صاحب النقد مسلِم (بكسر اللام) كما يسمى رب السلم ويسمى صاحب السلعة المؤجلة مسلم إليه ، وتسمى السلعة مسلم فيه - (كتاب الفقه ٢/ ٢٤٢) ۔ یعنی جس میں پیسہ پہلے دیا جائے اور سامان ایک ہفتہ یا ایک مہینہ یا دو چار دن بعد دیا جائے، جو شخص فوراً پیسہ ادا کرتا ہے اس کو مسلِم یا رب السلم کہتے ہیں اور جو شخص بعد میں سامان دے گا اس کو مسلَم الیہ کہتے ہیں اور وہ سامان جس کے بارے میں بیع ہو رہی ہے اس کو مسلَم فیہ کہتے ہیں۔

السلم عند المالكية: السلم هو بيع معلوم فى الذمة ، محصور فى الصفة بعين حاضرة أو ما هو فى حكمها ۔ (المفهم ٤/ ٥١٤)۔

السلم عند الشافعية: وهو بيع موصوف فى الذمة بلفظ سلم . (من حاشية شرح صحيح مسلم للنووي ٧/ ٤٣٥٧)۔

إلى أجل۔(كتاب المذاهب ٢/٢٤٣) ۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے (بداية المجتهد ٢/٣٦١،شرح صحيح مسلم ٧/٤٣٥٧ كتاب الفقه ٢/٢٤٤.)

الاختلاف فی شرائط السلم

بیع سلم کے صحیح ہونے کی کل دس شرطیں ہیں اس سلسلے میں متعدد احادیث منقول ہے جس میں عموماً تین شرطوں کا بیان ہے۔ جن میں سے ایک حدیث یہ ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أسلف فی شئ فلیسلف (١) فی کیل معلوم (٢) ووزن معلوم (٣) إلى أجل معلوم۔(١) ۔یعنی جو شخص کسی چیز میں سلم کرے تو چاہیے، کہ وزن معلوم، کیل معلوم اور وقت معلوم میں سلم کرے۔

بیع سلم کی دس شرائط یہ ہیں ۔(١) ثمن معلوم ہو (٢) وزن معلوم ہو (٣) کیل معلوم ہو (۴) أجل (وقت) معلوم ہو (۵) جنس معلوم ہو (جیسے گیہوں، جو وغیرہ) (٦) نوع معلوم ہو (جیسے باسمتی چاول ہوگا یا منصوری) (۷) صفت معلوم ہو (اچھی کوالٹی کا ہوگا یا متوسط کوالٹی کا ہوگا) (۸) مکان معلوم ہو (کہ کس جگہ ادا کرے گا) (۹) وہ شئ مسلم فیہ (سامان) بازار میں موجود ہو (١٠) دونوں ایسے ہم جنس نہ ہو جس میں ربا کی علت پائی جاتی ہو۔ مثلاً گیہوں کا گیہوں سے سلم نہ کیا جارہا ہو۔ اس کے علاوہ بعض حنفیہ چار اور پانچ شرطوں کا اضافہ کرتے ہیں ۔(انظر کتاب المذاہب ۲/۲۴۶)۔

الاختلاف فی السلم الحال

سلم مؤجل بالاتفاق جائز ہے جس کا ذکر گذر چکا، اور سلم حال کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام أبو حنيفة، امام مالك اور احمد کے نزدیک سلم حال جائز نہیں ہے۔ امام

(١) أخرجه البخاری ٢٢٣٩، ابو داؤد ٣٤٦٣، ترمذی ١٣١١، مسلم ١٦١٤، احمد

شافعیؒ کے نزدیک سلم حال بھی جائز ہے۔

دلیل امام شافعیؒ: **أن النبی ﷺ اشتری جملا من أعرابی بوسق تمرفلما دخل البیع لم یجد التمر فاستقرض البنی ﷺ تمرا فأعطاإیاه (الماخوذ من بدایة المجتهد)** یعنی آپ ﷺ نے کھجور کے بدلے اونٹ خریدا پھر جب گھر میں داخل ہوئے تو کھجور نہیں پائے پھر نبی ﷺ کھجور قرض لیا پھر اس کو کھجور دے دیا۔ یہ حدیث بیع سلمِ حال پر صریح دلیل ہے۔

جمہور کی دلیل: **قال النبی ﷺ: من أسلف فی شئ فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم إلی أجل معلوم** ۔اس حدیث میں صراحتاً أجل معلوم کی قید لگی ہوئی ہے اور یہ امر وجوب کے لیے ہے جیسے کیل کا معلوم ہونا، وزن کا معلوم ہونا واجب وضروری ہے اسی طرح أجل کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے لہذا سلم آجل صحیح ہوگی اور اس کے برخلاف سلم حال صحیح نہیں ہوگی۔

امام شافعی کی مستدل حدیث کا جواب یہ ہے یہ حدیث صحیح وصریح حدیث کے معارض ہے اس لیے قابل استدلال نہیں نیز ہماری مستدل حدیث ممانعت کی ہے جس کو ترجیح حاصل ہوگی۔(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے المجموع ج ۱۳ص من ۱۰۶ إلی ۲۱۳)۔

کتاب الشفعة

شفعہ کے لغوی معنی ملانا، جمع کرنا کے آتے ہیں۔ اصطلاحِ شرع میں شفعہ یہ ہے کہ ایک شریک اپنے دوسرے شریک کے بیچے ہوئے حصہ کو مشتری کو پیسہ دیکر واپس لے لے کیونکہ شریک بھی اس چیز کے خریدنے کا زیادہ مستحق ہے (المفہم ۵۲۳/۴)۔ مثلاً ایک مکان میں دو آدمی شریک ہوں اور دوسرے شریک نے اپنا حصہ بیچ دیا تو دوسرے شریک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مشتری سے وہ مال اس کی ادا کردہ قیمت دے کر واپس لے لے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: **الشفعة فی کل**

شِرْك فی أرض أو رَبْعٍ (مسكن) أوحائط، لايصلح أن يبيع حتى يعرض على شريكه فياخذ أو يدع (۱) ۔یعنی شفعہ ہر شرکت میں ہر زمین میں ہر گھر میں ہر دیوار میں ہے، وہ بیچنے کا مجاز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اپنے شریک پر پیش کرے پھر وہ لے یا چھوڑ دے۔ اس حدیث کی بنا پر ہر وہ شخص جو زمین یا مکان یا دیوار میں شریک ہو وہ شفعہ کا بالاتفاق مستحق ہوگا۔

الشفعة بالجوار

کیا پڑوسی ہونے کی وجہ سے آدمی شفعہ کا مستحق ہو جائے گا؟۔

أئمہ ثلاثہ کے نزدیک پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا مستحق نہیں ہوگا۔امام أبوحنیفہؒ کے نزدیک پڑوس کے وجہ سے بھی آدمی شفعہ کا مستحق ہو جائے گا۔

دلیل جمہور: جمہور کہتے ہیں کہ پڑوس کی وجہ سے شفعہ کے مستحق ہونے کے بارے میں کہیں بھی حکم نہیں ہے۔ نیز شفعہ ایک خلاف قیاس حکم ہے اس لیے وہ اپنے مورد نص پر ہی منحصر رہے گا اور پڑوس کے شفعہ کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے اس لیے پڑوس کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق نہ ہوگا۔

ابو حنیفہؒ کی دلیل: حنفیہ کہتے ہیں کہ شفعہ مشروع ہونے کی علت دفع ضرر ہے کیوں کہ اگر شریک سے نہ بیچ کر دوسرے سے بیچی جائے تو شریک کو اس مشتری کی وجہ سے پریشانی اور مزاج کے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے قلق ورنج ہوگا اور یہ بات پڑوسی میں بھی پائی جاتی ہے لہذا دفع ضرر کی وجہ سے پڑوسی بھی شفعہ کا مستحق ہوگا۔لہذا گھر یا زمین پڑوسی کے علاوہ کسی دوسرے آدمی سے بیچ دیا تو پڑوسی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ مشتری کو اس کی ادا کردہ قیمت دے کر واپس لے لے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے **جار الدار أحق بالدارو الأرض** (۲)۔ نیز

---

(۱)۔أخرجه مسلم ابو دائود نسائی احمد (۲)۔أخرجه ابو دائود ۲ر۱۴۰، ترمذی ۶ر۱۴۶، نسائی الدار قطنی بحواله نصب الراية۔

شرید بن سوید الثقفی سے مروی ہے جار الدار أحق بالدار من غیره (۱)

باب وضع الخشب فی جدار الجار

کیا آدمی پڑوسی کو اپنی دیوار پر چھت کی لکڑی رکھنے سے منع کر سکتا ہے؟۔

أئمه ثلاثه کے نزدیک منع کر سکتا ہے لیکن بھائی چارگی کا تقاضہ یہ ہے کہ لکڑی رکھنے سے منع نہ کرے۔

امام احمدؒ کے نزدیک اپنی دیوار پر لکڑی رکھنے سے منع کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل: عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: لا يمنع أحدكم جاره أن يغزر خشبة فی جداره۔(۲) ۔امام احمد لا يمنع احدكم سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ نہی وجوب کے لیے ہے اور جمہور کہتے ہیں یہ نہی استحبابی اور مکارم اخلاق پر ابھارنے کے لیے ہے۔

باب الرجوع من الهبة

جمہور علماء کے نزدیک ہبہ کی ہوئی چیز واپس لینا حرام ہے۔امام أبو حنیفہ کے نزدیک ہبہ کی ہوئی چیز واپس لینا جائز ہے لیکن شریفانہ اخلاق کے خلاف ہے۔

جمہور کی دلیل: عن ابن عباس أن رسول لله ﷺ قال: ليس لنا من سوء العائد فی هبته كالكلب يعود فی قيعته ۔(۳)، یعنی ہمارے لیے اپنے ہبہ کو واپس لینے کی بری مثال نہ ہونی چاہیے اس کتے کی طرح جو اپنے قے کو چاٹتا ہے۔اس حدیث سے جمہور ہبہ کو

---

(۱)۔أخرجه من نسائی ۲/۲۳۷، ابن ماجه ۲/۱۸۲، احمد ۴/۳۸۸، ابو دائود ۲/۱۴۰، الترمذی ۱/۱۷۶ بحواله نصب الراية ۔ (۲) أخرجه مسلم، البخاری، ابو دائود

واپس لینے کے حرام ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

امام أبوحنیفہ کی دلیل: **عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: الواهب أحق بهبته مالم يُثب منها (١)** ۔یعنی ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا زیادہ کا مستحق ہے جب تک کہ اس کے ہبہ کا بدلہ نہ دیا گیا ہو۔

جمہور کی مستدل حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں رجوع عن الھبہ کو ناجائز قرار نہیں دیا گیا بلکہ کتے کے قے کے چاٹنے سے تشبیہ دے کر صفت رذیلہ کے ساتھ متصف کیا گیا ہے اور ہم بھی اس کے رذیل وخسیس الصفت ہونے کے قائل ہیں لیکن چونکہ وہ اس کی چیز ہے اور وہ واپس مانگ رہا ہے اس لیے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قد تم بفضل الله عونه وكرمه ولطفه سبحان الله رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد الله رب العالمين

خادم آثم، حقیر، کمترین، پر تقصیر، خاکسار، ذرہ بے مقدار

محمد اسجد قاسمی پرتاپگڑھی بن مولانا ابوالکلام قاسمی